آخرت پر یقین کی لطیف تفسیر

فتح دین پر یقین کامل رکھتے ہوئے دعوت الی اللہ تیز کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ر فروری ۱۹۸۷ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:۔

الٓمّٓ ۝۲ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۴ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۵
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۶

(البقرہ:۲-۶)

سورۂ بقرہ کی یہ جو ابتدائی آیات میں نے تلاوت کی ہیں ان میں ایمان اور یقین دو اصطلاحیں استعمال فرمائی گئی ہیں۔ بسا اوقات انسان کے لئے یہ فرق سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیوں بعض چیزوں پر ایمان کا حکم ہے اور بعض چیزوں پر یقین کا اور یقین اور ایمان کا آپس میں کیا تعلق ہے اور بغیر یقین کے ایمان کیسے پیدا ہو سکتا ہے یا اس کے برعکس صورت پیدا ہوتی ہے۔ یہ سارے

سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں اٹھتے ہیں اور قرآن کریم نے آخرت پہ یقین کا تو ذکر فرمایا لیکن خدا کی ہستی پر یقین کا یا انبیاء کی ہستی پہ یقین کا یا قرآن کریم پر یقین کا یا ملائکۃ اللہ پر یقین کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ پس لازماً کوئی اہم فرق ہے ایمان اور یقین میں جس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اس پہلو سے جب ہم دیکھتے ہیں تو کئی قسم کے فرق ہمارے سامنے ابھرتے ہیں۔ بعض ایسے بنیادی اور اہم فرق ہیں جن کا ذکر آج میں ضروری سمجھتا ہوں۔

ایمان جن چیزوں پر لانا ضروری ہے وہ چیزیں اپنی ذات میں مستحکم ہیں اور کسی کے ایمان لانے یا نہ لانے سے ان کا کوئی بھی تعلق نہیں۔ ان کے وجود پر ایک ذرہ بھی اثر اس بات کا نہیں پڑتا کہ کوئی شخص ایمان لایا ہے یا نہیں لایا۔ اللہ ہے وہ ان معنوں میں مستغنی ہے کہ باوجود اس کے کہ سب سے یقینی ذات اور ہر یقین کا منبع وہ ہے۔ اس کے باوجود جہاں تک ایمانیات کا تعلق ہے کروڑ ہا وجود، ارب ہا وجود پیدا ہوں اور بے ایمان کے مرجائیں تب بھی خدا کی ہستی پر اس کی ذات کے استحکام پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح ملائکہ کا وجود ہے ان پر کوئی ایمان لاتا ہے یا نہیں لاتا ملائکہ کا وجود اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کے سہارے قائم ہے۔ اسی طرح کتابوں کا معاملہ ہے اور اسی طرح انبیاء کا معاملہ ہے اور اسی طرح یوم آخرت کا معاملہ ہے۔

آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے لیکن یہاں قرآن کریم نے جس آخرت کا ذکر فرمایا ہے اس پر یقین لانا ضروری ہے۔ ایمان والی آخرت سے یقین والی آخرت میں ایک فرق ہے جس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ایمان کا جہاں تک تعلق ہے آپ اگر اس پر بہت غور کریں تو اس کے کئی پہلو سامنے آئیں گے مگر اس کا جو بنیادی مرکزی نقطہ ہے ایمان کو سمجھنے کا وہ پہلی آیت میں جہاں ایمان کا ذکر ہے وہیں مذکور فرمادیا گیا ہے۔ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور یقین کا جہاں تک تعلق ہے یقین حاضر پر ہوا کرتا ہے، شاہد پر ہوا کرتا ہے۔

یقین کا تعلق قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے تین چیزوں سے ہے علم سے ہے، روئیت سے ہے اور تجربے سے ہے۔ علم الیقین سب سے کمزور یقین ہے وہ مشاہدے کی پہلی شکل ہے اور عین الیقین اس سے زیادہ قوی یقین ہے یعنی جب مشاہدہ آنکھوں کے ذریعے ہو صرف کان کے ذریعے اطلاع نہ پہنچے اور حق الیقین تجربے کے یقین کو کہتے ہیں جس پر آج کی سائنٹفک دنیا زور دیتی ہے۔ پس

Hypothesis اور Theory اور Experimental Truth یہ تین چیزیں ہیں جو سائنس کی اصطلاحوں میں اور طرح بیان کی جاتیں ہیں مذہب کی اصطلاح میں اور طرح بیان ہوتی ہیں لیکن بنیادی طور پر ایک ہی چیز کی دو مختلف شکلیں ہیں۔ تو یقین کا تعلق تو رؤیت سے ہے، یقین کا تعلق تو تجربہ سے ہے۔ پھر وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کیوں فرمایا؟ اس مسلئے پر جب ہم غور کریں گے تو کچھ اور باتیں سبق ہمیں حاصل ہوں گے۔ لیکن ایک اور پہلو سے ایمان کا جو تعلق شہادت سے ہے وہ بھی قابل توجہ ہے اس پر بھی کچھ غور کرنا چاہئے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ایمان یقین پیدا کرتا ہے اور شہادت کا یقین سے تعلق ہے اس لئے ایمان کے نتیجے میں یقین پیدا ہوتا ہے ایمان جتنا کامل ہوا اتنا یقین کی طرف لے کے جاتا ہے۔ پس ایمان یقین کا بچہ نہیں لیکن یقین ایمان کا بچہ ہے۔ شہادۃ سے ایمان پیدا نہیں ہوتا ایمان کے نتیجے میں شہادۃ پیدا ہوتی ہے غیب سے شہادۃ کا جو تعلق ہے وہی ایمان کا شہادت اور یقین سے تعلق ہے۔

پس غیب کا تبھی شروع میں ذکر فرما دیا يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ اور خدا تعالیٰ کو عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (الحشر: ۲۳) قرار دیا۔ پہلے ایمان کے ذریعے خدا پہچانا جاتا ہے جو غیب سے تعلق رکھتا ہے اور پھر جوں جوں ایمان انسان کو یقین کی طرف لے کر بڑھتا ہے اس کے ساتھ ساتھ انسان بھی خدا کو شہادت کے طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ ایسے وجود کے طور پر اس کو دیکھنے لگتا ہے جو ہر طرف اس کو دکھائی دینے لگتا ہے اور ایمان یقین میں بدلنے کا نام ہی وہ شہادت ہے جسے ہم کلمہ شہادۃ کہتے ہیں۔

اس لئے ہر شخص کا کلمہ پڑھنا ایک مقام کا نہیں ہے۔ کلمہ کا سفر ایک لامتناہی سفر ہے۔ آغاز میں کلمہ پڑھنے والے اور طرح کی گواہی دے رہے ہوتے ہیں اور مقام محمدیؐ پر فائز حضرت محمد مصطفی ﷺ کا کلمہ ایک اور طرح کی گواہی دے رہا تھا۔ کچھ کلمہ پڑھنے والے ایسی گواہی دیتے ہیں کہ انہیں بعض چیزیں خدا نما دکھائی دیتی ہیں۔ بعض کلمہ پڑھنے والے ایسی گواہی دیتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز ان کے لئے خدا نما ہو جاتی ہے۔

چشم مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

(درثمین صفحہ: ۱۰)

کوئی ذرہ کائنات کا ایسا نہیں رہتا جہاں خدا کو شہادت کے طور پر نہ دیکھیں۔ پس وہاں کلمہ شہادہ ایک بالکل اور مقام رکھتا ہے ایک اور مرتبہ کا کلمہ ہو جاتا ہے بنسبت ایک غافل آدمی کے شہادت کے کہ جس کی شہادت یقین کی بناء پر نہیں بلکہ علم کی بنا پر ہوتی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ عین الیقین کی بناء پر نہیں بلکہ علم الیقین کی بناء پر ہوتی ہے اور جب شہادت آگے بڑھ جاتی ہے تو پھر حق الیقین تک پہنچ جاتی ہے۔

پس ایمان کے نتیجے میں یقین کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اگر ایمان سچا ہو، اگر ایمان قوی ہو اور برحق ہو تو لازماً وہ ایمان انسان کو یقین کی طرف لے کر بڑھتا ہے یہاں تک کے مستقبل میں ہونے والے واقعات پر یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اور طرح کا غیب ہے۔ مستقبل میں جو ہونے والے واقعات ہیں ان کے اوپر یقین ایمان براہ راست ایمان سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان کے پختہ ہونے کے نتیجے میں مستقبل بھی ایک قسم کی شہادت کے طور پر دکھائی دینے لگتا ہے۔

یہاں جس آخرت کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ آخرت کئی معنوں میں استعمال ہو سکتی ہے لیکن ایک بنیادی سب سے اہم معنی میرے نزدیک آخری کامیابی ہے، آخری غلبہ ہے۔ وہ فتح جو خدا تعالیٰ کے نزدیک اسلام سے وابستہ ہے اور جس نے لازماً تمام دنیا پر اپنا اثر دکھانا ہے اس فتح پر یقین کی طرف اس جگہ پہلی آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے، ان ابتدائی آیات میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ وہ اتنے کامل الایمان لوگ ہیں کہ ان کی ایمان کے نتیجے میں خدا تعالیٰ انہیں یقین کے مختلف منازل طے کراتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ چیزیں جو اندھیروں میں غائب ہیں جو دور کی باتیں ہیں ان پر بھی وہ کامل یقین رکھتے ہیں۔

اب ایک اور پہلو سے جب ہم ایمان کا یقین سے موازنہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ایمان تو صرف مذہبی اصطلاح ہے اور اہل دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یقین ایک ایسی اصطلاح ہے جو عام ہے اور مومن اور کافر اور مذہبی انسان یا غیر مذہبی انسان ہر ایک پر مشترک ہے۔ ان سب کے درمیان قدرِ مشترک ہے، ہر ایک پر برابر اطلاق پاتی ہے اور یقین اس پہلو سے جب ہم دیکھتے ہیں تو اس کا مستقبل سے ہی تعلق ہے درحقیقت۔ جو قومیں اپنے مستقبل پر یقین رکھتی ہیں چونکہ عام دنیا کی اصطلاح میں تو ایمان ان کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ جو مستقبل پر یقین رکھتی ہیں وہ اس

یقین کے سہارے زندہ رہتی ہیں اور اگر یقین اٹھ جائے مستقبل پر تو قومیں ہلاک ہو جایا کرتی ہیں۔ اسی لئے جنگوں میں خصوصاً جدید ترین جنگوں میں سب سے بڑا ہتھیار جو دشمن کے خلاف استعمال کیا گیا وہ مایوسی پیدا کرنا تھا۔ ہوٹلوں میں، مختلف جمگھٹوں میں، تماشہ گاہوں میں بعض ایجنٹ بیٹھ جایا کرتے تھے اور یہ باتیں کرتے تھے کہ اب تو تم لوگوں نے ہارنا ہی ہارنا ہے۔ Ammunition ختم ہو گیا، ہتھیار ختم ہو گئے، خوراک ختم ہوتی چلی جارہی ہے، دشمن کا گھیرا سخت ہو گیا، دشمن نے یہ یہ مقابل پر ہتھیار ایجاد کر لئے ہیں یہ باتیں صرف کرتے تھے جو ہر شخص کر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں قطعی ثبوت ان کے دشمن کے ایجنٹ ہونے کا بھی نہیں ملتا تھا۔ ہر کس و ناکس گھر میں ایسی باتیں کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے ذریعے قوم میں مایوسی پھیلا کر ان کو شکست دینے کی جو بڑی منظّم سازش کی گئی یا منصوبہ بنایا گیا یہ جرمنی میں اس کا آغاز ہوا اور اس کا نام "Fifth Column" رکھا گیا اور ناٹسی (نازی) تصور کے مطابق سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ مضبوط ہتھیار جس سے وہ اتحادیوں پہ حملہ آور تھے وہ یہی "Fifth Column" تھا۔ پانچواں ان کا فوجی کالم جو آگے بڑھ رہا ہے اور پیشتر اس کے کہ وہ ان کے علاقوں پر قابض ہوں ان کے جو دنیاوی مادی کالم تھے وہ تو پیچھے رہ جاتے تھے یا تھوڑی دیر کے لئے ہوائی جہاز کی پرواز کے ذریعے سے وہاں پہنچتے تھے لیکن یہ "Fifth Column" اندر گھس کے ان کے اندر بیٹھ جاتا تھا، ان کی زندگی کے ہر پہلو پہ حملہ آور ہوتا تھا۔

تو مایوسی یقین کا برعکس ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا خواہ کسی کوئی مذہبی ہو یا غیر مذہبی ہو خدا کی ہستی پہ ایمان لاتا ہو یا نہ لاتا ہو یقین کے بغیر قومیں زندہ نہیں رہ سکتیں۔ تبھی قائداعظم نے پاکستان کے قیام کے وقت ''یقین محکم'' کا نعرہ بھی دیا کہ یقین کے ساتھ تم لوگ زندہ رہو، اپنے مستقبل پہ یقین رکھو۔ وہ بہت سی چیزیں جن کو انسان نے رفتہ رفتہ بڑے لمبے تجربوں کے بعد گزشتہ چودہ سو سال میں سیکھا قرآن کریم نے اپنے آغاز ہی میں ان کی طرف نہ صرف اشارہ فرمایا بلکہ بہت کھلے طور پر اس مضمون کو ایک مربوط رنگ میں پیش فرما دیا اور ایمان کے ساتھ ایک ایسا تعلق باندھ دیا جس کے بعد مومن بے یقین رہ ہی نہیں سکتا۔ اگر بے یقین مومن ہے تو اس کا ایمان بھی ختم ہے کیونکہ ایمان کی علامت کے طور پر یقین کو قرار دیا گیا ہے۔ ایمان نہیں ہے یہ لیکن ایمان کی علامت ہے۔

پس جماعت احمدیہ کے لئے اس میں بہت بڑے سبق ہیں۔ ایمان اور یقین کا ایک اور فرق

یہ ہے جس کی طرف بالآخر میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس کے بعد یہ مضمون کھل جائے گا کہ ایمان اگر کسی چیز پر نہ ہو تو اس چیز کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر کسی چیز پر یقین نہ ہو تو اس چیز کو ضرور فرق پڑ جاتا ہے، بسا اوقات فرق پڑ جاتا ہے۔ اگر مومن کو اپنے مستقبل پر یقین نہ ہو تو اس کے عمل پر اس کا براہِ راست اثر پڑتا ہے اور اس عدم یقینی کے نتیجے میں اس کو پھل نہیں ملتا اپنے خدا کے جو وعدے ہیں وہ پھر اس کے ذریعے پورے نہیں ہوتے کسی اور کے ذریعے پورے ہوتے ہیں۔ خدا کے وعدے پورے ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مایوسی کا شکار ہو جائیں ان کے ذریعے بھی خدا وعدے پورے فرمایا کرتا ہے۔ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ اور قومیں لے آتا ہے۔ بہتر لوگ ان کی جگہ پیدا کر دیتا ہے یا بعض ایسے وعدے بھی ہیں خدا کے جن کا انسان کی کوششوں سے تعلق ہی نہیں ہوتا وہ تو بہر حال پورے ہوں گے جس طرح بھی ہو۔ مگر یقین کا عمل سے ایک بڑا گہرا تعلق ہے اور یہ تعلق صرف مذہبی ہی نہیں غیر مذہبی بھی ہے یعنی خواہ مذہبی دنیا ہو یا غیر مذہبی دنیا ہو اگر یقین ہے تو عمل رہے گا اگر یقین اٹھ جائے گا تو عمل ختم ہو جائے گا۔ ایک انسان بھاگتا ہے خطرے سے اور اس اُمید پر بھاگتا ہے کہ شاید میں بچ جاؤں۔ جہاں اس کی مایوسی یقین کی حد تک پہنچ جائے یعنی مایوسی پہ بھی بعض اوقات یقین ہو جاتا ہے کہ اب نجات کی کوئی شکل نہیں رہی ان معنوں میں، تو جب اس کی مایوسی یقین بن جاتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ نجات کی کوئی شکل نہیں تو پھر وہ کہتا ہے مجھے بھاگ کر مرنے کی کیا ضرورت ہے آرام سے بیٹھوں یہیں انتظار کرتا ہوں موت نے آنا تو ہے ہی تو آرام سے آئے بجائے اس کے کہ میں خواہ مخواہ جدوجہد کر رہا ہوں۔

تو مایوسی یقین کے مقابل پر ہے اور سب سے مہلک ہتھیار ہے اسی لئے قرآن کریم نے شیطان کا ایک نام مایوس قرار دیا ہے۔ ابلیس لفظ میں مایوسیت پائی جاتی ہے اور اس کے معنوں میں یہ بات داخل ہے۔ چنانچہ ابلیس کا بھی سب سے بڑا ہتھیار مایوسی پیدا کرنا ہے۔ جب وہ مومن کے دل میں اپنے مستقبل کے بارے میں مایوسی پیدا کر دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد مومن نہیں زندہ رہ سکتا، ایمان کی حالت میں زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کی ہلاکت اور مایوسی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بار بار متوجہ فرمایا ہے کہ مایوسی گناہ ہے، مایوسی کفر ہے۔ نہایت ہی خطرناک اور مہلک چیز ہے جس کے بعد انسان کی زندگی کا

کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔

تو یقین کے ساتھ جو مستقبل کا تعلق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی کوشش اور جدّ وجہد نہیں چھوڑتے باوجود اس کے کہ بظاہر ان کے سپرد جو کام ہے وہ اتنا مشکل ہے دیکھنے میں ایسا ناممکن الوقوع نظر آتا ہے اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں، یقین رکھتے ہیں کہ یہ کام ضرور ہو کے رہے گا اور چونکہ یہ یقین رکھتے ہیں اس لئے محنت نہیں چھوڑتے ،کوشش نہیں چھوڑتے۔

اب جماعت احمدیہ کے سامنے جو کام ہے ساری دنیا کو فتح کرنا یہ ان کاموں میں سے ہے جن کو جو باہر سے دیکھنے والا ہے وہ ہمارے معاملے میں پاگل پن قرار دے گا۔ آپ کو معقول سمجھتا رہے بے شک لیکن آپ کے اس خیال کو پاگل پن سمجھے گا۔ وہ کہے گا کیوں بیوقوف ہو گیا ہے، کیا ہو گیا ہے اس کی عقل کو اچھی بھلی باتیں کر رہا تھا اور اچانک کہنے لگ گیا ہے ہم دنیا پہ غالب آجائیں گے۔ انٹرویو کے دوران، مختلف قسم کے جو انٹرویو ہوتے ہیں ان کے دوران میں نے بھی یہ محسوس کیا ہے اور وہ اندر سے مجھ پہ ہنس رہے ہوتے ہیں اور میں اندر سے ان پہ ہنس رہا ہوتا ہوں۔ وہ اس لئے ہنستے ہیں اندر سے کہ شریف لوگ اکثر جو انٹرویو لینے والے ہیں وہ کوشش یہی کرتے ہیں کہ بد تہذیبی کا مظاہرہ نہ ہو۔ منہ پہ نہیں کہتے اور ہنسی بھی آئے تو اسے ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ غالب آجائیں گے اور تمام دنیا کو فتح کرلیں گے اور میں کہتا ہوں ہاں مجھے کامل یقین ہے تو اس کا چہرہ بتادیتا ہے سوال کرنے والے کا اس کی آنکھیں بتا رہی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اکیلا ہوتا تو قہقہہ مار کے ہنس پڑتا کہ کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو اچھی بھلی معقول باتیں کرتے کرتے اچانک پاگلوں والی باتیں شروع کر دیں اور میں اس لئے دل میں مسکراتا ہوں کہ اس کو پتا نہیں ہے کہ کیوں ہم یقین کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی ناممکن باتیں ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہیں اس لئے کہ مذہب کی تاریخ اس کی ساری تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ ایسی ناممکن الوقوع باتیں ہمیشہ وقوع پذیر ہوتی رہیں اور جو یقینی دکھائی دیتی تھیں باتیں وہ غیر یقینی ہوگئیں۔ یقینی چیزیں صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے مٹا دی گئیں اور بظاہر غیر یقینی چیزیں منصۂ شہود پر اس طرح قوت کے ساتھ ابھری ہیں اور اس استحکام کے ساتھ قائم رہی ہیں کہ پھر ان کے مٹانے کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ پس قرآن کریم نے جو آخرت پر یقین پر زور دیا ہے وہ اسی لئے دیا ہے۔

یقین کے نتیجے میں بعض دفعہ انبیاء کو پاگل قرار دیا گیا ہے اور اپنوں کے ذریعے بھی قرار دیا گیا ہے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بچوں سے کہا :۔ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴿۹۵﴾ (یوسف:۹۵) اس کا یہی مطلب تھا کہ مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اور میں جانتا ہوں کہ تم میرے منہ پہ مجھے پاگل نہیں کہہ سکتے لیکن تمہارا دل یہی کہہ رہا ہے اندر سے کہ اس کو تو کچھ ہو گیا ہے یہ تو پاگلوں والی باتیں کرتا ہے۔ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ خواہ تم دیوانہ سمجھو، دیوانہ قرار دو جو کہو کہو مگر مجھے کامل یقین ہے کہ یوسف آنے والا ہے مجھے اس کی خوشبو آ رہی ہے۔

فتح اسلام سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی محاورہ استعمال فرمایا ہے:

آ رہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار
(درثمین صفحہ:۱۳۰)

پس ہم تو ان دیوانوں کے غلام ہیں جن کے یقین کو کوئی دنیا کا طعنہ بھی تبدیل نہیں کر سکا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہونے کے بعد ہم آپ کے انتظار میں شامل ہو چکے ہیں اور اس یقین کے ساتھ شامل ہو چکے ہیں جس یقین کے ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے یوسف کا انتظار کر رہے تھے۔

پس جب میں کہتا ہوں کہ اگلے سال سے پیمانے بدل دو، ہزاروں کو لاکھوں میں تبدیل کر دو۔ تو جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے بعض نے ضرور یہ سمجھا ہو گا کہ یہ تو دیوانوں کی بڑ لگتی ہے اس طرح خواہ آپ کا مجھ سے کیسا ہی تعلق ہو اور پیار ہو آپ میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جو سوچتے ہوں گے کہ اسلام کے پیار میں اور محبت میں ایسی باتیں کر رہا ہے لیکن بظاہر یہ ہونی ممکن نہیں ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ممکن ہے اور آپ کے ہاتھوں ممکن ہے آپ **یقین تو پیدا کریں کیونکہ یقین پیدا کئے بغیر عمل میں قوت پیدا نہیں ہوتی عمل میں جان نہیں پڑتی اور آخرت پر یقین ہے جو غیر ممکن چیزوں کو ممکن کر کے دکھا دیا کرتا ہے، کامل یقین کی ضرورت ہے۔** انگریزی کا ایک محاورہ ہے کہ ایک شخص کو یہ پتہ نہیں تھا کہ یہ چیز ناممکن ہے۔ سو وہ آگے بڑھا اور اس

نے کر دکھائی۔ تو جن لوگوں کی ڈکشنری میں ناممکن کا لفظ نہ ہو، وہ لوگ جن کی ڈکشنریاں ناممکن سے بھری ہوتی ہیں وہ ان چیزوں کو ناممکن دیکھ رہے ہوتے ہیں، ناممکن سے خالی ڈکشنریوں والے ان کو ممکن کر کے دکھاتے چلے جاتے ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں اور عاشقوں کے لئے اسلام کی فتح کا جہاں تک تعلق ہے کسی ابہام، کسی شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ لازماً یہ فتح ہوگی لیکن ہوگی یقین کے ذریعے کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اور اگر آپ کا یقین کمزور ہوگا تو اس فتح کے امکانات بھی کم تر ہوتے چلے جائیں گے، مدھم پڑتے چلے جائیں گے۔ یہ ایمانیات والا معاملہ نہیں ہے کہ آپ کو ایمان ہو یا نہ ہو خدا بہر حال قائم ہے، آپ کو ایمان ہو یا نہ ہو فرشتوں کو وجود مٹ نہیں سکتا۔ اسلام کی فتح آپ کی عدم یقینی کی وجہ سے پیچھے چلتی چلی جائے گی اس کا وجود میں آنا آپ کے یقین سے ایک براہ راست تعلق رکھتا ہے اس لئے کیوں اسے ہزاروں سال پیچھے ڈالتے ہیں۔ **اپنے یقین کا دل بڑھائیں تو یہ فتح تیزی کے ساتھ آپ کی طرف بڑھنی شروع ہو جائے گی، کیوں اگلی صدیوں میں اس کو دیکھنا چاہتے ہیں؟ کیوں اپنے یقین کا معیار بلند کر کے اسے اس صدی میں لانے کی کوشش نہیں کرتے؟** اس لئے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہر احمدی ایک احمدی بنائے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہاں، سننے میں تو بہت اچھی بات ہے لیکن ہوتا نہیں۔

پس جہاں یہ ہوتا نہیں کا شیطان دل میں داخل ہوا وہیں کام ختم ہونا شروع ہو گیا۔ کہتے ہیں اربع ہے، حساب ہے ہر آدمی کہاں بنا سکتا ہے۔ یہ خیال دل میں آتے ہی آپ یقین کریں کہ شیطان دل میں داخل ہو گیا۔ مایوسی ہی کا نام خدا نے شیطان رکھا ہے اور شیطان کا نام مایوسی ہے اور عمل کو ذلیل اور رسوا کرنے والا سب سے بڑا مہلک ہتھیار مایوسی ہے اس کے بعد عمل خاک ہو جاتا ہے کچھ بھی اس میں باقی نہیں رہتا، کچھ پیدا کرنے کی طاقت نہیں رہتی اس میں۔ ہر احمدی کے لئے فرض ہے کہ اپنے دل میں یقین رکھے کہ ہاں ممکن ہے اور یقیناً ہوگا اور اگر میں یہ فیصلہ کروں گا کہ میں نے بنانا ہے تو لازماً بنا سکوں گا۔ اگر یہ یقین ہی نہیں ہے تو آپ نے کرنا کیا ہے پھر دنیا میں۔ پھر ان لوگوں میں آپ کا شمار کیسے ہو سکتا ہے جن کے متعلق قرآن کی ابتدائی آیات کہتی ہیں:

وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ایک عظیم الشان گر دیا ہے خدا تعالیٰ نے ہمیں ترقی کا۔ ایک ایسا راز سکھا دیا ہے جو قوموں کی زندگی کا راز ہے۔ اس کو سیکھنے کے بعد کیوں اس کو استعمال نہیں کرتے۔ یہ ہے بنیادی بات جس کی طرف میں آج آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر اوقات تبلیغ کا اس تیزی کے ساتھ آگے نہ پھیلنا لازماً مایوسی کے نتیجے میں ہے۔ آپ جائزہ لے کے دیکھ لیں وہ لوگ جو ان باتوں کو سنتے ہیں اور ان کے دل پر اثر بھی پڑتا ہے وہ کیوں ایسا نہیں کر سکتے اس لئے کہ دل میں ایک بے یقینی ہے کیسے ہوسکتا ہے یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ اگر ایسا ہونے لگے تو چند سالوں میں ساری دنیا پر احمدیت غالب آجائے۔ یہ کہانیاں ہیں یہ قصے ہیں، یہ اچھی باتیں ہیں، اچھے ارادے ہیں اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ خیال ہیں جو نیک لوگوں کے دل میں نسبتاً نیکی کے روپ میں داخل ہو رہے ہوتے ہیں، بدلوگوں کے دل میں تنقید کی شکل میں داخل ہو رہے ہوتے ہیں اور بدتر لوگوں کے دل میں تضحیک کے رنگ میں داخل ہو رہے ہوتے ہیں، مذاق اڑانے کی خاطر داخل ہو رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ہیں یہ ایک ہی بیماری کی مختلف شکلیں مختلف اس کے درجات ہیں۔ کبھی یہ مہلک ہو کر ظاہر ہو رہی ہے، کبھی یہ ابتدائی خراش پیدا کر رہی ہے۔ ہر منزل پر اس بیماری کو کچلیں کیونکہ آپ کے عمل پر براہ راست اس کا اثر پڑتا ہے۔ ہر احمدی کو یقین کرنا چاہئے مجھے کئی خطوط ایسے ملتے ہیں جن میں مختلف رنگ میں یعنی بڑے بڑے اچھے مخلصین کی طرف سے بھی ان باتوں پہ تبصرہ ہوتا ہے اور اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح یہ بیماری بھیس بدل کر جس طرح قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ شیطان بھیس بدل کر داخل ہوتا ہے کس طرح یہ اچھے اچھے مخلصوں کے دل میں بھی بھیس بدل کر داخل ہو جاتی ہے۔

ایک دوست نے لکھا کہ آپ کہتے ہیں وعدہ کرو کہ سال میں ایک احمدی بناؤں گا۔ آپ بتائیں کہ انسان کے بس میں ہے کیا۔ جب تک خدا کی تقدیر نہ ہو اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جو چیز خدا کے ہاتھ میں ہے اس کے متعلق میں وعدہ کرلوں اور پھر جھوٹا بنوں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اصل میں وہی بے یقینی پن ہے اگر انسان کو آخرت پر یقین ہو تو آخرت تو خدا کی خاطر ہے آپ خدا کی خاطر کام کریں اور خدا آپ کو پھل سے محروم کر دے یہ وہم آپ کے دل میں کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اسی کا نام مایوسی ہے۔ کامل توکل کے نتیجے میں یہ وعدہ ہوتا ہے اور ایک مومن یقین رکھتا

ہے کہ میں اس وعدے کو پورا کروں گا پھر اگر نہ کر سکے تو جھوٹا اُسے نہیں کہا جا سکتا۔ ان کو اس معاملہ میں جھوٹ کی تعریف کا ہی علم نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے وعدوں کے متعلق بھی یہ فرمایا کہ انجان آدمی بیوقوف اور جاہل آدمی بعض دفعہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے وعدہ خلافی کی ہے حالانکہ یہ سنت ہے کہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور اس کے باوجود بعض وعدے پورے ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ اس لئے کہ ان وعدوں میں مخفی شرائط ہوتی ہیں اور شرائط کے ٹلنے کی وجہ سے وعدہ ٹلتا ہے اور ایسا شخص جو ایسا وعدہ کرے جس میں ظاہری یا مخفی شرائط ہوں جب وہ شرائط پوری نہ ہوں تو وہ وعدہ ٹل جاتا ہے۔ ایسے شخص کو جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ آپ اپنے طور پہ دنیا میں ہزارہا وعدے کرتے پھرتے ہیں اپنی اولاد سے بھی اور دوسروں سے بھی وہاں آپ کو جھوٹا ہونے کا کوئی خوف نہیں آتا۔ اپنے بیٹے کو کہتے ہیں کہ ہاں میں تمہارے لئے تعلیم کا انتظام کروں گا، میں تمہیں فلاں چیز لے کے دوں گا، فلاں جگہ سیر پہ لے کے جاؤں گا، اپنی بیویوں سے وعدے کرتے ہیں اپنے بچوں سے وعدہ کرتے ہیں حالانکہ اگلے سانس کا آپ کو پتہ نہیں کہ اگلے سانس میں بھی زندہ رہیں گے کہ نہیں۔ وہاں کیوں جھوٹ کا خوف نہیں آتا؟ کیا خدا کی خاطر کام بس ایک ہی چیز رہ گئی ہے جہاں سے آپ کو جھوٹا ہونے کا خوف لاحق ہو جاتا ہے؟ اس کا جھوٹ اور سچ سے تعلق ہی کوئی نہیں اس کا یقین اور توکل سے تعلق ہے۔ اگر یقین کا سر آپ بلند رکھیں گے اور توکل کا معیار بلند تر کریں گے تو لازماً آپ کے وعدوں میں پختگی ہوتی چلی جائے گی اور زیادہ یقینی ہوتا چلا جائے گا کہ وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ آپ کو جھوٹا نہیں دیکھنا چاہتا جو قسمیں کھا جاتے ہیں یہی تو اس کا مطلب ہے **لو اقسم علی اللہ لا برہ اللہ** (بخاری کتاب الصلح حدیث نمبر: ۲۵۰۴) بعض ایسے بھی ہیں جو خدا پر قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اتنا کامل یقین اور اتنا کامل توکل کہ خدا ایسے کرے گا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کے سر میں بظاہر خاک پڑی ہوئی ہوتی ہے، بال بکھرے ہوئے اور پراگندہ حال ہوتے ہیں لیکن جب وہ خدا پر قسم کھاتے ہیں تو خدا ضرور ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔ ان معنوں میں میں آپ سے کہتا ہوں کہ **وعدے کریں خدا سے اور قسمیں کھائیں بے شک کہ خدا کی قسم ہم ایسا کر کے دکھائیں گے۔ پھر چاہے آپ پراگندہ حال ہوں، چاہے آپ کے بالوں میں خاک پڑی ہوئی ہو تب بھی خدا تعالیٰ**

آپ کی قسموں کی غیرت رکھے گا اور آپ کے وعدے انشاء اللہ ضرور پورے ہوں گے لیکن خدا سے وہ سلوک تو نہ کریں جس طرح وہ دودھ کا تالاب بھرنے والوں نے بادشاہ سے سلوک کیا تھا۔ کہانی بارہا آپ نے سنی ہوگی لیکن ہے ہی اس لائق کے بار بار سنایا جائے اور بار بار سنا جائے کیونکہ اس میں ایک بڑا گہرا سبق ہے اور قوموں کے عروج اور زوال سے اس کا تعلق ہے، قوموں کی زندگی اور موت سے اس کہانی کا تعلق ہے۔

ایک بادشاہ نے ایک دفعہ یہ فیصلہ کیا کہ پانی کا تالاب تو دنیا میں سب بنانے والے ہوتے ہیں۔ میں ایک ایسا تالاب بناؤں جسے دودھ سے بھروں اور یہ ایک عجوبۂ روزگار تالاب ہو دنیا میں کبھی کسی بادشاہ کو توفیق نہیں ملی کہ ایسا تالاب بنائے جسے دودھ سے بھر دے۔ چنانچہ اس نے بڑے پیار سے، بڑی چاہت بڑے اہتمام سے ایک وسیع وعریض تالاب بنایا۔ یا یہ بھی کہا جاتا ہے اس کہانی کے متعلق کہ بادشاہ نے تالاب بنایا تھا پانی کے لئے لیکن وزیر نے اس کو یہ مشورہ دیا کہ اتنا خوبصورت اتنا عظیم الشان تالاب ہے تو اسے پانی سے نہ بھریں اسے دودھ سے بھریں۔ اس دوسری شکل میں جو کہانی بیان ہوتی ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے تعجب کیا کہ دودھ سے کیسے بھر سکتا ہوں؟ اس نے کہا بالکل معمولی بات ہے۔ آپ اپنی بستی میں اپنے شہر میں اعلان کروا دیں اور گردو پیش میں اس علاقے میں کہ کل یعنی آنے والے کل میں سب لوگ ایک ایک لوٹا دودھ اس تالاب میں ڈال دیں اور اُس دن جو بچے وہی پئیں باقی دودھ اس دن نہ پئیں کیا فرق پڑتا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ کس طرح ایک ایک لوٹے سے وہ سارا تالاب بھر جائے گا۔ چنانچہ بادشاہ نے اعلان کروا دیا اور سارے شہروں میں اور اردگرد کے دیہات میں جو قریب قریب تھے ان میں یہ منادی کرا دی گئی۔ ہر شخص نے یہ سوچا اتنا زبردست بادشاہ کا یہ حکم ہے یقیناً ساری رعایا دودھ کے لوٹے لے کر پہنچے گی اگر ایک میں نہ پہنچوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟ ایک میرے لوٹے سے ہی تالاب میں کمی آجائے گی؟ چنانچہ ہر ایک نے اپنے دل میں یہ بات سوچی اور اس دن کوئی ایک شخص بھی لوٹا لے کے نہیں گیا۔ اور جب بادشاہ اپنے ساتھ اپنے Courtiers اپنے حواریوں کو لے کر پہنچا تو خالی تالاب پڑا تھا اس میں کوئی ایک قطرہ بھی دودھ کا نہیں تھا۔

تو وہ سلوک تو اپنے خالق اور مالک سے نہ کریں جو ایک بادشاہ کی جاہل رعایا نے ایک

بے حیثیت بادشاہ سے کیا تھا، ایک لاعلم بادشاہ سے کیا تھا۔ بادشاہ کی لاعلمی کی بناء پر ان کو یہ جرأت ہوئی تھی لیکن آپ کا خدا جس کے لئے آپ نے اپنا دودھ کا لوٹا ڈالنا ہے وہ تو عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے۔ اگر آپ غیب پر ایمان لاتے ہیں تو وہ علم رکھتا ہے کہ کس حد تک آپ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور کس حد تک آپ کا ایمان یقین میں تبدیل ہوا ہے۔ اس کے حضور اپنا لوٹا پیش کریں پھر دیکھیں کہ یہ سارا عالم محمد مصطفی ﷺ کے دین کے دودھ سے بھر جائے گا اور اس دنیا میں دودھ کی نہریں بہنے لگیں گی۔ یہی تو وہ نہریں ہیں جو آپ کو جنت میں ملنی ہیں اس لئے خدا کے لئے اپنا لوٹا ڈالنا نہ بھولیں۔ یہی وہ ایک دودھ کا لوٹا ہے جو آپ کے لئے نہروں میں تبدیل ہو جائے گا اگلی دنیا میں اور اگر ہر احمدی اس یقین کے ساتھ اپنا حصہ پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو فتح ہماری کہانیوں میں بسنے والی فتح نہیں رہے گی، تصورات کی دنیا کی جنت نہیں رہے گی بلکہ اس حقیقی دنیا کی فتح بن جائے گی۔ اس حقیقی دنیا کی جنت بن جائے گی اور ساری دنیا اس میں آپ کی طرف دیکھ رہی ہے اور آپ کا انتظار کر رہی ہے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

آخر پر میں یہ بات کہنا چاہتا تھا اس وقت ذہن سے اتر گئی کہ جو شخص یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں نے لازماً ایک احمدی بنانا ہے اگر وہ فیصلہ قطعی ہے حقیقی ہے تو خدا تعالیٰ رستے بھی اس کو سجھا دے گا اس کو باہر سے بتانے کی ضرورت نہیں کہ کس طرح بناؤ۔ وہ فوراً اپنے گردوپیش پہ نظر ڈالنا شروع کرے گا۔ کہتے ہیں شکر خورے کو شکر مل ہی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے جس پرندے کو میٹھا کھانے والا بنا دیا ہے اس کے لئے وہ میٹھا بھی مہیا فرما ہی دیتا ہے۔ تو آپ شکر خورہ بنیں تو سہی ہر طرف سے اللہ تعالیٰ آپ کو شکر بھجوانے کا انتظام فرما دے گا۔ خود سوچیں، خود غور کریں جس طرح بس چلتا ہے جو کچھ بھی آپ کی پیش جاتی ہے اس کے مطابق کوشش کریں اور دعا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ انشاء اللہ ان دعاؤں کو سنے گا اور آپ کے غیب کو حاضر میں تبدیل فرما دے گا۔